ادبیات

شمعِ شبستان سے

از جناب الم صاحب مظفر نگری

چھا رہا ہے وسعتِ عالم پہ رنگِ انقلاب
شورشیں ہستی کی ہو جانے کو ہیں مصروفِ خواب

ہوش فرسا کیف بن کر بڑھ رہی ہے تیرگی
ہے مسلط ہر طرف بیداریوں پر خامشی

بستیوں سے طائرانِ خوش نوا منہ موڑ کر
جا رہے ہیں آشیانوں کی طرف باہمدگر

ہے کنارے پر افق کے مضمحل یوں آفتاب
جیسے مرجھائے سرِ شاخِ چمن کوئی گلاب

دامنِ گلہائے رنگیں پر شفق کی روشنی
یوں ہے لرزاں جس طرح غم سے شبابِ زندگی

چاند اور تاروں کی اب محفل سجائی جائیگی
کہکشاں اپنے افق سے رنگ و بو برسائے گی

عاملِ شب کے تصرف میں ہیں شہر و دشت و در
چھا گئی ظلمت جہاں کے روئے جلوہ بار پر

ہے زمیں سے آسماں تک ظلمتوں کا انتظام
بن گئی تاریکیوں کا مستقر دنیا تمام

ہیں کہ ہوں پروردۂ کیفیتِ درد و محن
اپنے غم خانے میں ہوں یوں شمع سے گرمِ سخن

ایک تو ہے مظہرِ یک رنگ سوز و ساز کا
رونقِ کاشانۂ ہستی ہے ہر جلوہ ترا

بے نیازِ درد ہو کر جو ہیں پابندِ سکوں
دے رہی ہے چپکے چپکے تو انھیں درسِ جنوں

ہے زباں پر تیری ہر دم داستانِ رازِ عشق
تیرا ہر شعلہ ہے بزمِ نازنیں غمازِ عشق

ہے بساطِ بزمِ شادی پر کبھی جلوہ فروش
حلقۂ ماتم میں گاہے ترجمانِ درد و سوز

قصرِ شاہی میں نہیں ہے صرف تو عشرت نواز
خانۂ درویش میں بھی تیرا دیکھا ہے گداز

ہے ترا ممنونِ احساں گوشۂ طاقِ حرم
پُرضیا ہے تیری تابانی سے ہر بیت الصنم

تجھ سے قائم گیسوئے لیلائے شب کی زینتیں
تجھ سے بڑھ جاتی ہیں راتوں کو چمن کی زینتیں

ہیں مُقر تیری وفا کے سب یہ عالم دیکھ کر
شام سے تا صبح جلتی ہے کسی کی قبر پر

یہ تو سب سچ ہے مگر اے رونقِ بزمِ جہاں
ہے حقیقت سے معرا تیری ہر اک داستاں

یہ ترا ذوقِ تپش یہ ترا آئین گداز
سربسر محفل میں ہے پابند قانونِ حجاز

ہے تری دل سوزیوں کی طرز غم رہنِ شہود
تیرے ہر آنسو میں پوشیدہ ہے اک شوقِ نمود

حسن بھی ہوتا ہے یوں بے پردہ و رسوا کہیں؟
پیشِ پروانہ یہ عریانی یہ نازِ آتشیں

ہوشیار اے ناشناسائے فریبِ زندگی
جنبشیں کچھ اور کہتی ہیں ہوائے بزم کی

دیکھ اس کا سوزِ پنہانی ہے بیحد و قیاس
جو کہ ہے آغاز و انجامِ محبت ناشناس

جو کہ ہے راہِ وفا میں بے نیازِ کارواں
ڈھونڈتا پھرتا ہے اس کو آپ منزل کا نشاں

ہے لئے دامن میں اپنے ہر رخ تصویرِ یار
وہ نظر جو ہے پسِ ہر پردہ بھی مصروفِ کار

اس حقیقت سے کہاں واقف ہے موج پرخروش
سینکڑوں طوفاں ہیں آغوشِ ساحل میں خموش

خامشی کہتا فغاں کو گمرہیٔ ذوق ہے
ہستیٔ گل اک ہجوم نالہ ہائے شوق ہے

منکشف ہوتا ہے اس پر رازِ ہستی واقعی
بے پیے رہتا ہے جو مستِ شرابِ بیخودی

تو سمجھتی ہے کہ میں مستیٔ ہر پروانہ ہوں
بادۂ حسنِ محبت ساز کا میخانہ ہوں

بزم ہستی میں تجلی ہے مری جانِ شعور
ہے مری تنویر سے ہر جلوہ پابندِ ظہور

یہ تصور یہ تخیل ہے غلط اے بے خبر
ہے نگاہوں سے تری رازِ حقیقت مستتر

تجھ کو کیا معلوم دل پر سوز برساتا ہے کون
پھونکتا ہے کون کس کو اور پھنکا جاتا ہے کون

کس نے پروانے کو بخشا ہے مذاقِ آرزو
بن کے جگنو کر رہا ہے کون کس کی جستجو

یہ سحر یہ شام یہ قوسِ قزح یہ کہکشاں
یہ ستارے یہ شفق یہ بحر یہ موجِ رواں

یہ ہوا یہ ابر یہ تنظیمِ ہستی کا کمال
کچھ خبر ہے کس کے جلوے کا ہے عکسِ بے مثال؟

تو نہیں واقف بتاؤں میں رہِ منزل تجھے
آ، دکھا دوں تیری آنکھوں سے حق و باطل تجھے

جلوۂ حسنِ ازل کی بزمِ ہستی ہے نمود
وہی شاہد ہے وہی مشہود ہے وہی شہود

ماسوا اس کے تعین کی ہے سب افسوں گری
محفلِ ارضی ہو وہ یا بزمِ چرخِ اخضری